Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Year 2024; Vol 03 (Issue 01)
PP. 78-86 https://journals.gscwu.edu.pk/

منزہ نیاز

پی ایچ ڈی، سکالر، شعبہ اُردو، شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونی ورسٹی، پشاور

ڈاکٹر بسمینہ سراج

ایسوسی ایٹ، پروفیسر، شعبہ اُردو، شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونی ورسٹی، پشاور

Munaza Niaz
PhD Scholar, Department of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar

Dr. Bismina Siraj
Associate Professor, Department of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar

فلسفہء حیات: کلامِ اقبال کا ایک اہم فکری عنصر

Philosophy of Life: An important intellectual element of Iqbal’s Writings

Abstract:

The philosophy of life is an important philosophy in Iqbal's writings which helps in reaching his intellectual horizons. Life is not just the name of living on earth but it is a journey that travels continuously even after its disappearance from the earth. The survival of life in the world is hidden only in actions and works, which should be based on the principles of self-recognition (Khudi) and the life of a perfect man. The survival of the collective life requires certain needs which are named as nation and politics; it should also be subordinated to the universal principles of divine teachings. Such life contributes to the true order of the universe.

Key Words: Iqbal, Philosophy of Life, writings of Iqbal, Khudi, Mard e Momin

فلسفہ ءحیات ایک اہم موضوع ہے جس کی بہت سی جہتیں اور پہلو ہیں۔ اس کے اُردو معنی مقصدِ زندگی، طرزِ زندگی اور اُصولِ زندگی کے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں حیات کو خالصتاً فلسفیانہ انداز میں دیکھا ہے۔اُن کے کلام میں مستقبل اور موجودہ زمانوں کے بہت سے مسائل کا حل شامل ہے۔ انہوں نے حیات اور کائنات کی بہت سی اقدار پر غور و فکر کیا اور اپنے عصر کو تہذیبی بحران سے سے نکالنے کے لیے کوشش کی۔ علامہ اقبال نے حیات کو شاعرانہ اُسلوب میں بھی پیش کیا اور اس کی توجیح کے لیے شاہین کی مثال بھی دی۔ اقبال کے نزدیک دنیا ہر لحہ متغیر ہے یہاں کتنے انسان پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ موت ہم سب کی آخری منزل نہیں بلکہ اصل حیات موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ یہ زمانہ اور اس کے شب و روز سلسلہ وار ایک دوسرے سے متصل ہیں کہ جو حادثات و واقعات کے ذریعے کائناتی نظام کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور یہی زندگی اور موت کی اصل ہیں:

سلسلہء روز و شب، نقش گرِ حادثات
سلسلہء روز و شب، اصلِ حیات وممات (1)

اقبال کے نزدیک زندگی کا مزاج شعلہ کا سا ہے جو غیرت مند اور شور انگیز ہے۔ مشکل صورت حال میں جدوجہد اور کوشش اور اس کے نتیجے میں مشکل کشی اور جفا طلبی ہی زندگی کی حقیقت ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی کی تمام کیفیات کا دار و مدار جدوجہد اور عمل پر ہے جب کہ انسان ابھی صبح و شام کے خیالات میں گم ہے۔

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات
تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی (2)

اقبال انسانی حیات کی بقا اور پائیداری کے لیے بہادری اور بے خوفی کو لازمی جزو خیال کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ماحول میں مضمر خدشات سے خوف زدہ ہونا اور ڈر جانا جانوروں کی فطرت ہے جب کہ انسان کو بہادر اور نڈر ہونا چاہیے۔ خوف کی بنا پر خودی برباد ہو جائے گی۔ اقبال کے نزدیک ایسی زندگی حقیقی اور خالص ہے جس میں خدا پر بھروسہ ہو کسی چیز کا خوف درمیان میں نہ آئے اور خودی برقرار رہے۔

آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات
کہہ نہیں سکتے مجھے نومیدِ پیکارِ حیات (3)

بہت سے مقامات پر اقبال نے حیات کو پر اسرار بھی قرار دیا ہے۔ اُن کے نزدیک حیاتِ مسلم میں توحید کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ پر یقین ہونا بہت ضروری ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہی انسان کو مردِ کامل بناتا ہے اور اس کی زندگی کو عظمتوں کے راستے پر گامزن کرتا ہے۔ خیال و نظر کی مجذوبی کو اقبال نے بہت خوبصورت استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناں گوں (4)

اقبال کے نزدیک جو لوگ علم الحیات سے ناواقف ہیں ان کے نزدیک زندگی فانی ہے۔ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اگر زندگی کی حقیقت کو دیکھیں تو ادنیٰ صورت مٹ جاتی ہے اور اعلیٰ صورت نمودار ہوتی ہے اور حیات اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔

سمجھے ہیں ناداں اسے بے ثبات
ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات (5)

اقبال نے فلسفہ حیات کے ذریعے قوم کو حیاتِ نو عطا کرنے کی سعی کی ہے۔ اُن کی مخاطب قوم شکست خوردہ اور محکوم قوم تھی اور اس ملت پر طاری جمود کو توڑنے کے لیے اقبال نے آفاقی افکار کے ذریعے انسان کو ترغیب دی کہ وہ روشن ضمیری کے ساتھ کائنات پر غالب آجائے یوں ملت مستحکم رہے گی۔ اقبال نے اپنے ذہنی انقلاب کے ذریعے اسرارِ حیات سے پردہ اٹھاتے ہوئے بتایا کہ میں حیات و کائنات کے اسرار رموز سے واقف ہوں اور کشمکشِ حیات میں مسلمانوں کی کامیابی سے کبھی نااُمید نہیں ہوسکتا ایک مسلم پر یہ فرض ہے کہ وہ جہدِ مسلسل سے اپنی دنیا کی قسمت سنوارے اور بقاء کا سامان کرے۔ اس حوالے سے وہ قطرے کی مثال دیتے ہیں کہ قطرے کی زندگی میں بہت اسرار چھپے ہوئے ہیں۔ حیات بھی قطرے کی طرح ہے جیسے وہ کبھی گوہر، کبھی شبنم اور کبھی آنسو بن جاتا ہے اسی طرح حیات بھی اپنا روپ تبدیل کرتی رہتی ہے۔

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہر، کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا (6)

اقبال کے نزدیک حیات کا حقیقی فلسفہ یہ ہے کہ دائمی زندگی اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جب ایک عاشق موت کا پیالہ بہ خوشی پی جائے۔ اُن کے خیال میں حیات موت کے پردے میں ہی مستور ہے جب تک موت زندگی کے رخ سے حقیقت کا نقاب

نہیں اتارتی انسان حقیقی حیات سے آشنا ہو ہی نہیں سکتا۔ حیات کی اس تعبیر کے ضمن میں وہ افلاطون سے متاثر نظر آتے ہیں جس نے اس عالم کے مثال ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اقبال بھی حیات اور موت کے درمیان حقیقت اور مجاز کے تعلق کے حامی ہیں:

میں نے کہا موت کے پردے میں حیات

پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں (7)

اقبال کے فلسفہ حیات میں فکر کا ایک اہم مرکزی نقطہ اپنی ذات کی جستجو ہے۔ حیاتِ ابدی کے حصول کا بنیادی تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر انسان اپنی ذات کی تلاش کی جستجو کرے۔ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال:

"عام معنوں میں اقبال کے ہاں خودی کی اصطلاح سے مراد احساسِ ذات، شعورِ نفس، اپنے آپ کی پہچان، وحدت وجدانی، خودداری یا خود اعتمادی ہے"(8)

اقبال نے خودی کو مستحکم کرنے کے لیے مراحل کا تعین کیا جس میں عشق اہمیت کا حامل ہے۔ اُن کے نزدیک عشق عاشق، معشوق دونوں کو انفرادی درجہ دیتا ہے۔ دوسرا مرحلہ فقر و استغنا کا ہے۔ فقر کے لیے اقبال کے ہاں شاہین کی تشبیہہ دی گئی جو کہ خوددار اور غیرت مند، بلند پروازی اور تیز نگاہ کا حامل ہے۔ تیسری اہم چیز اخلاقی اقدار میں جرات کا موجود ہونا اور چوتھی چیز غیرت یعنی تقلید کی زنجیر سے آزادی ہے۔ اقبال کے نزدیک مقصد بڑا اور بلند رکھنا چاہیے اور اس کے لیے مسلسل جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔ علامہ اقبال نے تصورِ حیات میں مختلف تصورات کو مرکزی نقطہ نگاہ سے دیکھا ہے جس میں خودی کا تصور، اسلامی تہذیب و تمدن، قومیت، سیاست، مسلسل جدوجہد، نقل و حرکت اور مردِ مومن شامل ہیں۔ اس کے ساتھ تصورِ حیات بعد از موت کو عقلی تناظر میں پیش کرتے ہیں بلاشبہ کائنات کی تخلیق کے پیچھے ایک خاص مقصد کارفرما تھا۔ اقبال کے ہاں تصورِ حیات میں ایک اہم چیز فلسفہ تمدن ہے جس کا انحصار اسلامی روایات پر ہے۔ بقول ڈاکٹر یوسف حسن:

"ان کا تصور حیات دراصل اسلامی روایات پر مبنی ہے جن میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت خوبی سے سمویا اور ان کے ظاہری تضاد کو رفع کر دیا گیا انسانی تمدن کا ہمیشہ سے ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ رہا ہے کہ فرد اور جماعت کے تعلق کی نوعیت کیا ہو؟ یا فرد جماعت میں اپنی انفرادیت ضم کر دے یا اپنا علیحدہ وجود قائم رکھے؟ کیا فرد اور جماعت کے اغراض و

> مقاصد میں دائمی تضاد ہے جس کو دور کرنا ممکن نہیں۔ اقبال نے انسانی فطرت اس کے سامنے رکھے اپنے صحیح وجدان سے پالیا کہ وہی تمدن فطرت کے مواقف ہوگا جس میں انفرادی خودی کو اپنی نگہبانی اور پرورش کا موقع حاصل ہو، اس کے ساتھ ساتھ انجمن آرائی کا سلسلہ بھی جاری رہے جس طرح وہ شخص جو قافلے میں سفر کرتا ہے سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ رہنا وجود بھی برقرار رکھتا ہے۔ یہی حال زندگی کے قافلے کا ہے"(9)

اقبال کے فلسفہء حیات میں حرکت و عمل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک مسلسل جدوجہد، کوشش اور حرکت ہی زندگی کو برقرار رکھتے ہیں۔ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے اور یہی زندگی کا ساز ہے۔ اس مسلسل حرکت کا نام کوشش ناتمام ہے۔ پلٹنا جھپٹنا اور جھپٹ کر پلٹنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اُن کی فکر کا منبع چونکہ امتِ مسلمہ کی ترتیب و تنظیم ہے لہذا وہ حیاتِ امت کے لیے مسلمانوں کا منظم ہونا اشد ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

> "میں محسوس کرتا ہوں اگر موجودہ حالات کی رفتار یہی رہی اور مسلمان منظم نہ ہوئے اور ان میں اتفاق اور اتحاد قائم نہ ہوا تو انہیں کچل دیا جائے گا بلکہ عجب نہیں کہ اگر انہیں اس ملک اور اس کی موجودہ اور آئندہ حکومت سے بالکل بے دخل کر دیا جائے۔ میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پادر ہوا خیال آرائیوں سے گم راہ ہونے کی بجائے حقائق کی روشنی میں عملی کام کر کے دکھائیں۔"(10)

اقبال کے نزدیک زندگی فرائض کے تسلسل کا نام ہے جس کے جلوے اس دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں۔ وہی قومیں عزت کی زندگی بسر کرتی ہیں جو رات دن محنت کرتی ہیں۔ دنیا میں اپنی عظمت اور نام وری کے نشان چھوڑتی ہیں اور تاریخ کے اوراق پر ان مٹ نقوش ثبت کرتے ہوئے دائمی حیات پاتی ہیں۔

وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات (11)

اقبال کے نزدیک حیات ایک قیمتی چیز ہے جس کی حفاظت کا ذمہ انسان پر ہی عائد کیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ زندگی عظیم مقصد کے حصول پر خرچ کی جائے نہ کہ نسلی و قومی تعصبات کی بدولت لڑ لڑ کر جان دے دی جائے۔ حیات چونکہ قیمتی سرمایہ

ہے اور قیمتی چیزوں کی گھات میں ہمیشہ رہزن رہتے ہیں جو مختلف بھیس بدل کر ہاتھ صاف کرنا جانتے ہیں۔ اقبال ایسے شخص کو بے وقوف اور کم عقل قرار دیتے ہیں جو بہلاوے میں آکر خیالی اور لایعنی چیزوں پر حیات جیسی قیمتی متاع قربان کر بیٹھتا ہے۔

کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے
سکر کی لذت میں لٹوا گیا نقدِحیات (12)

علامہ محمد اقبال نے اس دنیا میں حیات بسر کرنے کے لیے ایک عملی نمونہ پیش کیا۔ اس عملی نمونے کو وہ مردِ مومن کا نام دیتے ہیں۔ اِس کے علاوہ بھی انہوں نے مرد مومن کو بندہ آفاقی، مردِ حق، مردِ قلندر، مردِ بزرگ، جاں باز، مسلم، مرد مکمل، مردانِ خدا، غازی اور پراسرار بندے وغیرہ ناموں سے پکارا ہے۔ اقبال کے نزدیک مرد مومن اپنی خودی کی تربیت و تشکیل کرتا ہے۔ اشرف المخلوق ہونے کی بدولت حیات و کائنات کو تسخیر کرنے والا ہے۔ اسلامی افکار پر عمل پیرا ہو کر اپنے اندر وہ خصائص پیدا کرلیتا ہے جس سے دنیا کے اسرار و رموز کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اقبال کا مرد مومن نطشے کے فوق البشر سے مختلف ہے یہ صرف اور صرف خدا کے سامنے جھکتا ہے۔ قلبی طہارت کے سبب اس میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ بندہ تقدیر نہیں بلکہ تقدیر ساز ہو جاتا ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (13)

مومن کو اقبال نے شاہین کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ مومن خودار اور بلند خیال ہوتا ہے مردہ نہیں کھاتا یعنی اپنا شکار خود کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک مومن کے اہداف بہت بلند ہیں۔ مرد مومن کا مقام دنیا اور آخرت میں بہت بلند ہے۔ مومن کا شیوہ ہمدردی ہوتا ہے جب وہ اپنے مسلم ساتھیوں کے بیچ میں ہوتا ہے لیکن دشمن دین کے سامنے لوہے سے زیادہ سخت جان ہو جاتا ہے۔ مومن کا ہدف ثریا اور منزل معراج کو پالینا ہے۔

ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِ سرا پردہ جاں نکتہ معراج (14)

مومن افلاک سے دوبدو رہتا ہے۔ مومن کے مقاصد بہت ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔ وہ مومن کو بندہ حر قرار دیتے ہیں جو دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لیے ہمہ تن اپنے اہداف پر نظر رکھتا ہے۔ اقبال مومن اور کافر میں فرق بتاتے ہیں ان کے

نزدیک کافر آفاق میں گم ہے جبکہ مومن کے اندر آفاق گم ہیں۔ اقبال کا مومن مردِ قلندر ہے۔ مومن اللہ کی ذات پر کامل ایمان کی بدولت عزم و استقلال اور ناقابلِ شکست جرات و ہمت کا حامل ہوتا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (15)

مرد مومن عزم و ہمت کی ایک چٹان ہوتا ہے۔ حق و باطل کی جنگ میں مردِ مومن فولادی طاقت بن کر ابھرتا ہے۔ وہ ایمانی طاقت کے ذریعے، حق کی سربلندی کے لیے مقابل سے بلاخوف و خطر ٹکرا جاتا ہے۔ مومن چاہے جتنا نرم دل ہو لیکن دشمن کے سامنے وہ فولاد بن کر ابھرتا ہے اور ضرب کاری سے کام لیتا رہتا ہے۔ مرد مومن ایک نئی شان اور آن کے ساتھ رہتا ہے اس کے ظاہر و باطن سے عاجزی، انکساری جھلکتی ہے۔ مرد مومن اپنے اندر جو صفات رکھتا ہے اس میں ایک صفت سورہ رحمٰن کی ہے۔ فکری جہت سے دیکھیں تو وہ اپنے اندر ایک انجمن رکھتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان (16)

اقبال کے ہاں حیات ایک مقصدی تصور کی حامل شے ہے جس کا وجود لایعنی نہیں بلکہ ایک کارگر اور کارآمد خاصہ ہے جو کائنات کی ترتیب و تنظیم کے لیے ضروری ہے۔ حیات چونکہ خالق کی تخلیقات میں سے سب سے نمایاں مخلوق ہے لہذا اس پر اتنی ہی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کا اسراف خدا کے احکام و فرامین کی روشنی میں کیا جائے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال نئی مسلم معاشرت کی تشکیل پر زور دیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال:

> "اقبال نے نئے مسلم معاشرے میں علم کی تحصیل کے لیے اس کے مختلف تمدنی پہلوؤں میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی ہے وہ تاریخ اسلام کے گہرے مطالعے پر اصرار کرتے ہیں۔ مشاہداتی یا طبعی علوم کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کراتے ہیں اسی طرح ادبیات اور فنون لطیفہ کے متعلق بھی خالص اسلامی نقطہ نگاہ واضح کرتے ہیں لیکن سب سے زیادہ اہمیت وہ دینیات کے میدان میں نئے علم الکلام کی ضرورت اور فقہ کے میدان میں شریعت کی تعبیر نو کو دیتے ہیں"(17)

اقبال کے نزدیک انسانی حیات کی طرح قوموں کی بھی حیات ہوتی ہے۔ قوموں کی حیات کے لیے سیاست روح کا کام کرتی ہے۔ سیاسی نقطہ نظر سے اقبال نے کچھ اصول مرتب کیے جو کہ ارض و سماء کا مالکِ حقیقی خدا ہے۔ انسان ملوکیت کی بدولت زمین پر قابض ہیں۔ اقبال جمہوری حکومتوں سے بھی مطمئن نہیں۔ ان کے نزدیک جمہوریت ملوکیت کا ایک پردہ ہے۔ وہ سیاسی اعتبار سے بھی عقلی بنیادوں کو رد کرتے ہیں بقول عبد السلام ندوی:

"ڈاکٹر صاحب کے تمام کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس طرح دوسرے امور میں عقلی بنیاد عمل کے مخالف ہیں اسی طرح نظریہ سلطنت میں بھی انہیں عقلی بنیاد سے خاص پرخاش ہے کیوں کہ عقلی قوانین میں انسان کی خود غرضی اور انفرادیت پسندی کی چاشنی ضرور ہو گی۔"(18)

علامہ اقبال نے دس گیارہ سال عملی سیاست میں حصہ لیاان کا مقصد مسلم قوم کو حیاتِ نو پر گامزن کرنا تھا۔ ان کے نزدیک ہر فرد کو اپنے وطن سے محبت ہونی چاہیے۔ ان کے تصور سیاست و وطنیت کے ذریعے ملت اسلامیہ کے روشن مستقبل کی یقین دہانی ہوتی ہے۔ انہوں نے وطن کی محبت میں نظمیں لکھی ہیں مثلاً ترانہ ہندی، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت ،ترانہ ملی اور وطنیت وغیرہ۔ لیکن مسلم قوم کی حیاتِ نو کے ضمن میں غور و فکر کے بعد وہ وطنیت کے محدود تصور سے بیزار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وطنیت عالمگیر اسلامی اخوت کے راستے کا پتھر بنتی ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

"سیاسی نظام کے بارے میں سیاست کی ہر سطح پر خواہ اس کا تعلق برصغیر سے ہو یا مسلم ممالک سے یا اقوام عالم سے اقبال ہی یہی نقطہ نظر رکھتے تھے یعنی دین اور سیاست کسی سطح پر بھی ان کے یہاں ایک دوسرے سے الگ نہ ہو سکتے تھے۔"(19)

درج بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علامہ محمد اقبال کا فلسفہ ءحیات فکری گہرائی و گیرائی کا حامل فلسفہ ہے۔ اُن کے نزدیک حیات صرف دھرتی پر زیست کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا سفر ہے جو مسلسل جاری رہتا ہے۔ دنیا پر حیات کی بقا صرف اور صرف حرکت و عمل میں پوشیدہ ہے جس کی بنیاد اپنی ذات کی پہچان (خودی) اور مردِ کامل کی زیست جیسے اصولوں پر رکھنی چاہیے۔ اجتماعی حیات کی بقا کچھ ضروریات کی متقاضی ہوتی ہے جنہیں وطن اور سیاست کا نام دیا ہے ان کو بھی خدائی تعلیمات کے آفاقی اصولوں کے تابع ہونا چاہیے۔ اس طرح کی حیات کائنات کی حقیقی ترتیب و تنظیم میں معاون ہوتی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔اقبال،علامہ محمد،"کلیات اقبال اردو"،(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،سالِ اشاعت2006)،ص73

2۔ایضاً:ص220

3۔ایضاً:ص152

4۔ایضاً:ص21

5۔ایضاً:ص105

6۔ایضاً:ص148

7۔ایضاً:ص153

8-جاوید اقبال،ڈاکٹر،"افکارِ اقبال"،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2015ء)،ص16

9۔یوسف حسین خاں،ڈاکٹر"روح اقبال"،(لاہور:وسیب پبلشرز،2020ء)،ص141

10۔محمد حمزہ فاروقی،"حیات اقبال کے چند مخفی گوشے"،(کراچی:اکادمی بازیافت،2020ء)،ص451

11۔اقبال،علامہ محمد،"کلیاتِ اقبال اردو"،ص184

12۔ایضاً:ص206

13۔اقبال،علامہ محمد،"کلیاتِ اقبال اردو"،ص213

14۔ایضاً:ص16

15۔ایضاً:ص39

16۔ایضاً:ص52

17۔جاوید اقبال،ڈاکٹر،"افکارِ اقبال"،ص37

18۔عبد السلام ندوی،"اقبال کامل"،(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،2019ء)،ص356

19۔فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،"اقبال سب کے لیے"،(لاہور:الوقار پبلی کیشنز،2021ء)،ص162